انقلاب تنظیم اسلامی کے مآخذ: ایک تحقیقی جائزہ

A RESEARCH REVIEW OF TANZEEM-E-ISLAMI'S REVOLUTIONARY SOURCES

محمد محمود رضا*

ملازم خان**

ABSTRACT

In general, the old system is completely abolished and replaced by a new system called revolution, which is different from the old system. Historically, imagining all the revolutions that have taken place, nothing comes to mind except bloodshed, murder, hatred and rage. But as human society goes through its evolutionary process, Various organizations, movements and parties that seek to revolutionize their own societies are also undergoing an evolutionary process in their revolutionary ideas. Undoubtedly, in today's digital age, modern technology is being used to bring about a revolution without the use of means of killing and violence, which cannot be achieved even with a powerful atomic bomb. But it all depends on where you are getting the foundation for the revolution you want to bring. This paper presents a research review of the sources of the revolutionary thought and concept of Tanzeem-e- Islami which was founded by Muslim Scholor Dr. Israr Ahmad.

KEYWORDS: System, Revolution, Evolutionary process, Movements, Foundation, Sources

تمہید

گزشتہ صدی میں دنیا کے متعدد ملکوں میں اسلامی تحریکات بہت واضح ہدف کے ساتھ وجود میں آئیں۔ وہ ہدف یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا دین یعنی اسلامی نظام قائم ہو جائے۔ اس ہدف کی حقانیت پر انہیں پورا یقین اور کامل اطمینان تھا۔ اُس وقت ان تحریکوں کے وجود میں آنے کی غالب وجہ یہ تھی کہ اسی صدی میں غیر اسلامی نظاموں کی گونج

* پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گومل یونیورسٹی، ڈی آئی خان۔ پاکستان mahmoodraza249@gmail.com

** پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گومل یونیورسٹی، ڈی آئی خان۔ پاکستان mulazimkhan99@gmail.com

ساری دنیا میں سنائی دے رہی تھی، اس سے پہلے حکومتیں چلتی تھیں مگر بنا کسی نظام کا نام لیے، اور مسلم دنیا میں کوئی حکمران خواہ اس کا طرز حکمرانی کیسا ہی ہو، یہ دعوی نہیں کرتا تھا کہ وہ کوئی مخصوص انسانی نظام نافذ کرے گا۔ مسلم حکمرانوں کے سلسلے میں اصولی طور پر یہی امید رکھی جاتی تھی کہ وہ اسلام کے مطابق طرز حکمرانی اختیار کرے گا، خواہ عملاً ایسا نہیں ہوتا ہو۔ اسلامی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ مسلم حکمران علی الاعلان اور عملاً غیر اسلامی نظام نافذ کر رہے تھے۔

اس کے نتیجہ میں ان اسلامی تحریکات کی طرف سے مختلف قسم کے ردِ عمل آنا شروع ہو گئے اور مختلف طریقوں کو اپناتے ہوئے انہوں نے اپنے ہدف کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ایسے میں لفظ انقلاب زبان زد عام ہونے لگا اور انقلاب کیا ہے، کیوں ہے، کیسا ہونا چاہیے یا پھر کسی بھی انقلاب کے فکری و عملی بنیادیں کونسی ہیں، جیسے چند اہم سوالات بھی ابھرنے لگے۔ ساتھ ہی مغرب اور یورپ کے متعدد مصنفین و دانشوروں نے بھی اسلامی تحریکات کو اپنے مطالعہ و تجزیے کا موضوع بنایا ہے۔ مجموعی طور پر اسلامی تحریکوں کے تصور انقلاب کو بنیاد پرستانہ، شدت پسندانہ اور اس سے بڑھ کر دہشت گردانہ تصور انقلاب کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس مضمون میں ہم تنظیم اسلامی جو کہ پاکستان کے اندر ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت کے طور پر پہچانی جاتی ہے، اس کے انقلاب کے مآخذ، اس کی بنیاد و اساسات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ تنظیم اسلامی نے اپنے انقلابی فکر و تصور کو کہاں سے لیا۔

تنظیم اسلامی کے انقلاب کی بنیادیں

تنظیم اسلامی اپنے انقلاب کی بنیاد قرآن اور سیرت النبی ﷺ کو قرار دیتی ہے، اور اس سارے عمل کو "منہج انقلابِ نبوی ﷺ" کا نام دیتی ہے۔ اس کے علاوہ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس انقلابی مہم کا تعلق مختلف اسلامی شخصیات اور اسلاف کے ساتھ بھی جوڑتے ہیں، اور جن جن شخصیات سے اپنی انقلابی تصور کو لیتے ہیں ان کے بارے بھی پورا تاریخی پس منظر بیان کرتے تھے۔ ذیل میں تنظیم اسلامی کے انقلابی تصور کے تمام مآخذ کا تذکرہ موجود ہے۔

1۔ قرآن کریم

قرآن مجید کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا آلۂ انقلاب قرآن حکیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت عرب معاشرے میں جو تبدیلی لائی وہ صرف اور صرف قرآن کریم کے ذریعے ہی لائی۔ بانی تنظیم اسلامی اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کو ہی اپنا ہتھیار بنا کر پہلے تنظیم اسلامی کو قائم کرنے اور پھر اس کے

ذریعے سے انقلاب لانے کی سوچ رکھتے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرماتے ہیں:

ایک عرصے سے میرے ذہن میں ایک بڑا سوال بلکہ اشکال رہا ہے۔ میں نے جس قدر قرآن کو پڑھا اور اپنی استعداد کے مطابق اس پر غور و فکر کیا، پھر سیرتِ مطہرہ کا معروضی مطالعہ کیا، رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ جن جن مراحل اور اَدوار سے گزری ہے ان پر آپ ﷺ کے منہجِ عمل اور انقلابی لائحہ عمل کو سمجھنے کے لیے سوچ بچار کیا تو اس نتیجہ تک پہنچا کہ قرآن مجید کو مرکز و محور بنا کر ایک دعوت کا آغاز کیا جائے اور ایک خالص اسلامی انقلابی تحریک بپا کرنے کی سعی وجہد کی جائے۔ مجھے کچھ بزرگ ہستیوں کے افکار میں اس کی بھرپور تائید بھی ملی۔ ان میں سے ایک علامہ اقبال ہیں، جن کے اشعار میں مسلمانوں کو رجوع الی القرآن کا بھرپور سبق دیا گیا ہے۔ دوسری شخصیت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ علیہ ہیں، جو دارالعلوموں کی فضا سے نکلے تھے اور علمائے حقانی کے صحبت یافتہ اور فیض یافتہ تھے۔ قرآن کی بنیاد پر اسلامی انقلابی تحریک برپا کرنے کی کوشش میں مجھے ان دونوں کی طرف سے تائید ملی۔ اور آج کل کے حالات کے مطابق معلوم بھی ایسے ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے تجدید و احیائے دین کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم قرآن حکیم کی طرف رجوع کریں۔[1]

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اپنی کتاب جہاد بالقرآن میں انقلاب کو جہاد کی جدید اصطلاح قرار دیتے ہوئے اپنے انقلابی عمل کی دعوت اور تعلیم و تربیت کا ذریعہ بھی صرف اور صرف قرآن مجید کو قرار دیتے تھے، اور اس سارے انقلابی عمل کو وہ "جہاد بالقرآن" کا نام دیتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

انقلابی عمل کی دو سطحیں ہیں یا یوں کہیں کہ جہاد کے دو لیول ہیں، پہلی سطح مجاہدہ مع النفس، اس کے لیے آلۂ جہاد قرآن ہو گا اور دوسری سطح نظریاتی کشمکش اور تصادم، اس کے لیے بھی ہماری تلوار قرآن ہو گی۔[2]

ڈاکٹر صاحب قرآن حکیم کو ماخذ انقلاب قرار دیتے ہیں اس میں کوئی دوسری رائے نہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا شمار موجودہ دور میں امت مسلمہ کے فہیم ترین عناصر میں ہوتا ہے۔ عقل و فکر اور زمینی حقائق، عالمی تناظر، امت مسلمہ کی پست حالت جیسے عوامل کو سامنے رکھ کر قرآن حکیم سے اصولِ انقلاب اجتہادی بصیرت کی روشنی میں اخذ کرنا، جس سے موجودہ حالات کو نظر انداز نہ کیا جائے اور اخروی نتائج سے بے پرواہ نہ ہوا جائے، اس طرزِ عمل کو بروئے کار لاتے ہوئے سارے اصولوں کو پورے محکم علمی، عقلی، منطقی، تاریخی دلائل کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی فکر میں پیش کرنے کی کوشش کی۔

لیکن افسوس کہ ڈاکٹر صاحبؒ نے جو کچھ پیش کیا، اسے جمہور امت نے قبول نہیں کیا۔ قرآن حکیم کی بیان کردہ پوری تاریخِ نبوت ایسے ہی حالات کو پیش کرتی ہے کہ انبیاء کی دعوت برحق، لیکن سماج میں ارباب من دون اللہ کا طاغوتی

اور ابلیسی نظام اتنا مستحکم اور کینسر کی طرح جڑیں پکڑ چکا تھا کہ انقلاب نہ آسکا۔ نبی اور ان کے حامی بچا لیے گئے اور قوموں کی قومیں ہلاک کر دی گئیں۔ 45 سال گزرنے کے باوجو تنظیم اسلامی کے انقلاب کا برپا نہ ہونے کی وجہ تنظیم کی انقلابی فکر میں کوئی جھول یا خلا نہیں بلکہ خرابی امت کے اجتماعی کردار اور عالمی ابلیسی و طاغوتی طاقتوں کی ہے۔ قرآن حکیم خود یہ بیان کرتا ہے کہ یہ کتابِ نصیحت ہے۔ اس نصیحت کا تفصیلی فہم کا واحد ذریعہ سنتِ رسول ﷺ ہے۔ لیکن قرآنی نصیحت اور سنت رسولؐ پر اگر ہر لحاظ سے مکمل عقلی غور و تدبر نہ ہو تو کتاب و سنت کی حیثیت اس بہترین اور کامیاب نسخہ صحت کی ہے کہ جس میں بیماری کا علاج تو مکمل طور پر تجویز کر دیا گیا ہو، لیکن مریض علاج اور پرہیز پر عمل نہ کرتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ[3]

" اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لیے اتاری گئی ہے، اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔"

آج عدمِ نفاذِ قرآن کی بنا پر امت کی حالت قبل از نزول قرآن کے سماج جیسی ہے۔ یہ امت جو صدرِ اقوام یعنی امت وسط، امت خیر، امت واحدہ کا درجہ رکھتی تھی، آج اپنے اجتماعی فکر و عمل کی بنا پر یدعون اِلی الحق کی بجائے یصدون عن سبیل اللہ کا کردار ادا کر رہی ہے۔ ان حالات میں انقلاب تو بہت اعلیٰ بات ہے، مسلمانوں کے اندر بنیادی شرعی فرائض کا شعور اور ان کی ادائیگی کا جذبہ پیدا کرنا بھی کسی انقلاب سے کم نہیں۔ اور یہ کام بھی بلاشبہ انجمن خدام القرآن کے پلیٹ فارم سے بھرپور ہو رہا ہے۔

قرآن حکیم کے آلہ انقلاب یا ماخذ انقلاب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ تنظیم اسلامی نے اسے اولین رہنما اور کتابِ ہدایت گردانا، اس میں کچھ غلط نہیں۔ لیکن غلطی اور کوتاہی فرقوں میں بٹی ہوئی امت مسلمہ کے اندر ہے کہ جو کتاب و سنت کے ہونے کے باوجود پستیوں اور رسوائیوں کا شکار ہے۔ آج مسلمانوں کے لیے اسلام کی دعوت میں شاید وہ کشش نہ ہو جو کشش دعوتِ روزگار اور اپنے بنیادی حقوق کے حصول کے بارے میں ہے۔ پاکستان میں عوام کی روٹی، کپڑا اور مکان کے نعروں سے جو مرعوبیت نظر آتی ہے وہ نظامِ مصطفوی ﷺ کے نعرے میں نہیں آتی۔ قرآنی دعوتِ فکر و عمل اور آغازِ انقلاب کے لیے عوام سے قربانی مانگنے کی بجائے اب حکام کی قربانی کی باری ہے۔ تنظیم اسلامی کو اس بارے بھی سوچنا ہو گا کہ اسلامی انقلاب کے ساتھ عوامی محبت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے اگر ان کے حقوق اور ان کے جائز مفادات کے تحفظ کی دعوت اور بات کو سامنے رکھا جائے تو یہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحبؒ کا انقلاب کو جہاد کی جدید اصطلاح قرار دینا اور انقلابی عمل میں قرآن کو بطور تلوار استعمال کا تجزیہ بالکل درست ہے۔ آج داخلی سطح پر مجاہدہ نفس اور خارجی سطح پر نظام باطل کے ساتھ کشمکش اور تصادم تو ممکن ہے، لیکن تنظیم اسلامی کو یہ بات بھی مد نظر رکھنی ہو گی کہ حضور ﷺ نے یہ کام جس وقت صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر کیا تو اس وقت قیادت ایک اور اس کے پیچھے جماعت بھی ایک تھی۔ آج صورتحال یہ ہے کہ قرآن حکیم ایک ہے، لیکن اس کی تفاسیر اور تعبیریں سینکڑوں ہیں۔ ان سینکڑوں تفسیرات اور تعبیرات نے امت کو تقسیم در تقسیم کر رکھا ہے۔ وہ تمام قوت جو حضور ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کفار کے مقابلہ میں لگائی، آج وہ تمام مسلم قوتیں کفار کے مقابلہ میں نرم اور آپس میں سخت ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کے مابین قرآن حکیم کی قانونی، انقلابی اور اطلاقی تعبیر میں جو اختلاف ہوتا تھا، حضور ﷺ اس کا حتمی فیصلہ فرما دیتے تھے۔ لیکن آج امت مسلمہ کے اندر نہ تو کوئی ایسی متفق علیہ شخصیت ہے اور نہ ہی کوئی ایسا اعلیٰ علمی تحقیقی مؤثر ادارہ ہے جو قرآنی تعبیرات کے اختلاف کا فیصلہ کر کے امت منتشرہ کو امت واحدہ بنائے۔ ان حالات میں نظری اور فکری لحاظ سے تو قرآن حکیم کے آلہ انقلاب ہونے میں تو کوئی شک نہیں، البتہ عملی دنیا میں انقلاب برپا کرنے کے لیے امت مسلمہ کے وسائل، صلاحیتیں اور قوتیں جو باہمی اختلاف اور انتشار میں صرف ہو چکی ہیں۔ ان کا کوئی حل بھی تنظیم اسلامی کو سامنے رکھنا پڑے گا۔

ماضی قریب میں انقلابِ ایران کی کامیابی کی بڑی عملی وجہ امام خمینی کی شخصیت تھی۔ ان کا نظریہ "ولایت فقیہ" ایرانی قوم میں متفق علیہ تھا۔ یعنی امام خمینی غالب اکثریت کی متفق علیہ شخصیت اور ان کا نظریہ "ولایت فقیہ" ایرانی قوم کی غالب اکثریت کے لیے قابلِ قبول تھا۔ لیکن پاکستان میں صورتحال ایسی نہیں ہے۔ ایک ایک جماعت میں تین تین گروپ بن چکے ہیں۔ جمعیت علماء پاکستان، نورانی گروپ اور عبد الستار نیازی گروپ، جمعیت علماء اسلام، فضل الرحمن گروپ اور مولانا سمیع الحق گروپ، یہی حال سیکولر جماعتوں کا بھی ہے۔ پی پی گروپ، شہید مرتضیٰ گروپ، بے نظیر گروپ، مخدوم امین فہیم گروپ، نون، قاف، جیم مسلم لیگ۔ یہی حال تصوف کی دنیا کا ہے۔ ان تمام سیاسی، مذہبی، باطنی، ظاہری، دینی، غیر دینی جماعتوں کے مابین نظریہ پاکستان اور اسلام کی بنیاد پر اتحاد قائم کرنا اسلامی انقلاب لانے کی محنت کے برابر ہے۔

کتاب و خطاب کی دنیا میں قرآن کو آلۂ انقلاب کہنا صد فیصد درست، عمل کی دنیا میں اسے ثابت کرنا ناممکن تو نہیں، البتہ مشکل ترین ہے اور اس مشکل کی وجہ تنظیم اسلامی کی فکر یا معاذ اللہ نظریہ اسلام کی کمزوری نہیں، امت کا باہمی خلفشار، اختلاف، فرقہ واریت اور صدیوں کی غلامی کے دور میں رائج ہونے والا تصورِ دین جو اب بالکل تصورِ مذہب

بن گیا ہے اور تصورِ اسلام، تصور مسلک تک محدود ہو گیا ہے۔ تصورِ قرآن صرف حصول ثواب اور ایصال ثواب تک محدود ہو گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے حقیقی پہلو نظروں سے اوجھل اور جزوی پہلو نور بشر، حاضر ناظر، جیسی باتیں سکہ رائج الوقت بن گئیں۔ ضرورت اس امر کی ہے اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اسلامی انقلاب کی پہلی منزل یعنی امت کی منتشر طاقتوں کو مجتمع کرنا گویا اسلامی انقلاب کی پہلی منزل کی تعمیر کرنا ہے۔ چنانچہ نبوی انقلاب برپا کرنے کے لیے جدید دور کے تقاضوں کو سمجھنے کے ساتھ نبوی حکمت عملی، نبوی تدبر، نبوی اصول ترجیحات، نبوی اصول تدریج، نبوی اصول حکمت، نبوی اصول دعوت، نبوی اصول تعمیرِ ملت، گویا ایک ایک نکتہ سیرت النبی ﷺ سے حاصل کرنا ہو گا۔ تنظیم اسلامی ایسا کرنا چاہتی ہے، یہی اس کی فکر ہے، لیکن عام مسلمانوں کی عظیم اکثریت میں اس کا یہ فکر طاقِ نسیاں کا شکار ہے۔ اس لیے تنظیم اپنی صحت مند فکر کے باوجود وہ صحت مند نتائج سامنے نہیں لا سکی جو ایک اسلامی انقلابی تحریک کو مطلوب ہوتے ہیں۔

2۔ سیرت النبی ﷺ

تنظیم اسلامی کے نزدیک اس بات میں تو ہرگز کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ انفرادی سطح پر ایک مسلمان کے دینی فرائض یہی ہیں کہ وہ اپنے عقائد کی تصحیح اور ایمان میں اضافے کے لیے مسلسل کوشاں رہے، صوم و صلوۃ اور دیگر جملہ فرائض و واجبات پابندی سے ادا کرتا رہے۔ حلال پر اکتفا کرے اور حرام سے اجتناب کرے، حتی المقدور اور حسبِ صلاحیت دوسروں کو خیر کی دعوت دیتا رہے، نیکیوں کی تلقین کرتا رہے، بدی سے روکتا رہے۔ لیکن اجتماعی نظام اور اس کی اہمیت کے حوالے سے حسب ذیل چند سوالات بانی تنظیم نے سامنے رکھ کر اپنے انقلابی تصور کو کچھ اس طرح سے واضح کرتے ہیں:

۱۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عہدِ حاضر کا انسان اجتماعی نظام میں جس طرح جکڑا ہوا ہے، پہلے کبھی نہ تھا۔ چنانچہ موجودہ دور میں جو بھی سیاسی، سماجی و معاشی نظام کسی ملک اور معاشرہ میں قائم ہو اس کا ہمہ گیر اور ہمہ جہت جبر ہر انسان کو اپنے چنگل میں پوری طرح جکڑ لیتا ہے!

2۔ پھر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اگر یہ نظامِ اجتماعی، جبر و استبداد اور ظلم و استحصال پر مبنی ہو، جس میں انسان تقسیم ہو کر رہ جائیں تو اس صورت میں انفرادی دعوت و تبلیغ اور وعظ و تلقین کا دائرہ بہت محدود اور اثرات تقریباً معدوم ہو کر رہ جاتے ہیں!

۳۔ اگر ان دو سوالات کا جواب اثبات میں ہے، تو کیا اس استبدادی اور استحصالی نظام کا خاتمہ ضروری نہیں ہے؟ کیا

اس کی جگہ عدل و قسط پر مبنی اور سماجی انصاف کی ضمانت دینے والا نظام قائم کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت نہیں ہے؟

۴۔ پھر اگر ان سوالات کے جوابات بھی اثبات میں ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے اہم مقاصد کے لیے طریق کار اور لائحہ عمل کی رہنمائی سے کتاب و سنت خالی ہیں؟ کیا اسوۂ رسول ﷺ صرف داڑھی کے طول اور پائجاموں کی اونچائی ہی سے متعلق ہے یا اس اہم انسانی اور دینی فریضے کے ضمن میں بھی رہنمائی کرتا ہے؟ یقیناً کسی مسلمان کا خیال یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ سنت اور اسوۂ رسولؐ صرف ظاہری وضع قطع تک محدود ہیں۔

5۔ پھر کیا یہ سچ نہیں کہ رسول اللہؐ نے بالفعل یہ کارنامہ سرانجام دیا کہ انسانوں کے مابین اونچ نیچ، جبر و استبداد اور ظلم و استحصال کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور "دین الحق" یعنی نظامِ عدل و قسط کو قائم کر کے دکھایا؟ اگر یہ حقیقت واقعی کسی مسلمان کو نظر نہ آئے تو سوائے ماتم کے کیا کیا جا سکتا ہے۔

اب اگر یہ ساری باتیں صحیح ہیں تو ہمارا دعویٰ صرف یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ ہی اس عظیم انقلاب کے طریق کار اور لائحہ عمل کا واحد منبع اور سرچشمہ ہے، لہٰذا ہم اس کی جانب رجوع کر رہے ہیں۔ تاہم اگر کسی کے پاس کوئی متبادل لائحہ عمل ہو تو لائے اور پیش کرے، اگرچہ ہمیں تو علیٰ وجہ البصیرت معلوم ہے کہ سیرت النبیؐ کے راستے کے سوا سارے راستے کسی نہ کسی دوسری منزل کی جانب لے جانے والے ہیں، اللہ کے عطا کردہ نظامِ عدل و قسط کے قیام کی جانب نہیں۔[4]

اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ تنظیم اسلامی نے اپنا انقلابی تصور سیرت ﷺ سے لیا ہے۔ البتہ اُس وقت کے حالات اور موجودہ وقت کے حالات میں بلاشبہ بے شمار تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں جن کے بارے میں بانی تنظیم کچھ یوں فرماتے ہیں:

اس بات کے ہم یقیناً قائل ہیں کہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق جہاں جہاں ضرورت ہو اجتہاد سے کام لیا جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے تین بنیادی امور ہیں، ایک یہ کہ اس وقت ایک طرف مسلمان تھے تو ایک طرف کافر، جبکہ آج دونوں طرف مسلمان ہیں۔ دوسرا یہ کہ آنحضورؐ کے زمانے میں عرب میں کوئی منظم حکومت قائم نہیں تھی اور مسلح تصادم کے آغاز کے وقت بھی اسلام اور کفر کی طاقت میں نسبت تناسب (تعداد اور اسلحہ کے فرق) ایک اور دس سے زیادہ کا نہیں تھا جب کہ آج جو سیاسی، سماجی و معاشی نظام قائم ہے ان کی پشت پر مسلح مقامی حکومتیں ہی نہیں عظیم عالمی قوتیں بھی ہیں، جن کے ساتھ عوام کے مسلح تصادم کا معاملہ تقریباً محال کے درجہ میں آچکا ہے۔ تیسرا یہ کہ آج بحمداللہ شہریوں کے بنیادی حقوق کا تصور موجود ہے جو اُس وقت نہیں تھا۔ چنانچہ مسلح تصادم سے کم تر ذرائع سے بھی انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان امور کے ضمن میں ہمارا موقف یہ ہے کہ "منہج

انقلابِ نبویؐ" کو اصل اور بنیاد قرار دے کر معین طور پر طے کرنا ہو گا کہ کس ضرورت کے تحت اس میں کس مقام پر کیا اجتہادی تبدیلی ضروری یا مناسب ہے۔ یہ طرز عمل قطعاً غلط ہو گا کہ ان تین امور کی اساس پر نبویؐ طریق کو سرے سے ترک کر کے پورا نقشہ کار اپنے ذہن و فکر اور اپنی ترجیحات کی بنیاد پر وضع کر دیا جائے۔[5]

اسی طرح ایک اور مقام پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ سیرت ﷺ کو ہی اپنا انقلابی ماخذ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس انقلابی عمل کو میں نے حضورؐ کی سیرتِ مبارکہ سے سمجھا ہے اور اس معاملے میں میرا ماخذ صرف اور صرف سیرتِ محمدیؐ ہے۔[6]

تنظیم اسلامی اس بات کو دوٹوک انداز میں واضح کرتی ہے کہ انقلابی جدوجہد کے مراحل و مدارج کا ادراک فقط سیرۃ النبیؐ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بانی تنظیم اسلامی اس بات کو دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ دنیا میں دوسرے جتنے بھی انقلاب آئے ہیں وہ سب جزوی تھے۔ پوری انسانی تاریخ میں ہر اعتبار سے کامل انقلاب کی واحد مثال انقلابِ محمدیؐ ہے۔ سوا دو سو سال قبل برپا ہونے والے انقلابِ فرانس کا بہت چرچا ہے، لیکن اس انقلاب سے صرف سیاسی ڈھانچہ تبدیل ہوا تھا۔ اسی طرح اس صدی کے آغاز میں بالشویک (سوشلسٹ) انقلاب سے صرف معاشی ڈھانچہ تبدیل ہوا اور نئے معاشی ڈھانچے کی بنیاد نجی ملکیت کو ختم کر کے تمام وسائلِ دولت کو قومیانے پر رکھی گئی۔ ان دونوں انقلابات کے برعکس اگر نبی اکرم ﷺ کے برپا کردہ انقلاب کو دیکھا جائے تو ہمیں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو میں تبدیلی آئی۔[7]

اس حوالے سے ڈاکٹر اسرارؒ مزید فرماتے ہیں:

انقلابِ محمد ﷺ اور دوسرے انقلابات میں ایک اور فرق بھی موجود ہے کہ دوسرے جتنے بھی انقلاب برپا ہوئے وہ کئی نسلوں میں جا کر مکمل ہوئے۔ ایک نسل نے صرف فکر دی، انقلاب بعد کی نسل لائی۔ اس کے مقابلے میں دیکھئے انقلابِ محمدیؐ میں تمام مراحل اور مدارج فردِ واحد کی اپنی زندگی ہی میں تکمیل پذیر ہو گئے۔ اس اعتبار سے بھی ہم کو یقین کر لینا چاہیے کہ اس انقلابی عمل کا واحد ذریعہ اور ماخذ سیرتِ محمدیؐ ہے۔[8]

یہ وہ سوچ اور فکر ہے جو تنظیم اسلامی کے انقلاب کے پیچھے کارفرما ہے، لہٰذا ان کے نزدیک دنیا کا سب سے بہترین، مکمل اور مثالی تصور انقلاب سیرت محمدی ﷺ کے طریقے سے ہی ملے گا۔ بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ آج عہدِ حاضر میں اجتماعیات، سوشیالوجی یا پولیٹیکل سائنس کا کوئی طالب علم پوری دیانت داری سے انقلاب کا صحیح طریق کار اخذ کرنا چاہے تو اسے صرف محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے مکمل رہنمائی مل

سکتی ہے، مارکس، اینجلز، لینن یا والٹیئر کی زندگیوں سے اس ضمن میں قطعاً کوئی رہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی، گویا طریق انقلاب کے لیے اب دنیا کے سامنے صرف ایک ہی منبع و سرچشمہ ہے اور وہ رسول ﷺ کی سیرتِ طیبہ ہے۔[9]

تنظیم اسلامی کے نزدیک اسلامی انقلاب کا دوسرا ماخذ سیرت النبیؐ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرت النبیؐ کا ماخذ بھی اپنی اہمیت کے لحاظ سے ماخذ قرآن کے برابر ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ اور تنظیم اسلامی کے تصورِ انقلاب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے سیرت النبیؐ کو تاریخی لحاظ سے بالکل صحیح سمجھا، تنظیم اسلامی اپنے تصور انقلاب میں نہ صرف حضورؐ کی سیرت کو من و عن اپنانے کی دعوت دیتی ہے، بلکہ ممکنہ حد تک اس پر عمل کرنے کی بھی کوشش میں مصروف نظر آتی ہے۔ سیرت النبیؐ کو ماخذ انقلاب فکری لحاظ سے تسلیم کرنے میں کوئی ادنیٰ سا بھی شک نہیں، البتہ دنیا کے موجودہ حالات اور ارتقائے تمدن اور وسعتِ تقاضاہائے حیات کی روشنی میں عقلی اور شرعی لحاظ سے یہ لازم ہے کہ سیرت النبیؐ سے انقلابی رہنمائی حاصل کرنے، پھر بعد از انقلاب اس کی وسعت اور حفاظت کے لیے سیرت الرسولؐ سے روشنی حاصل کی جائے۔ اور پھر سیرت النبی ﷺ پر ڈیرے ڈال کر ایسا مراقبہ کرنا کہ جو روحِ عصر اور روحِ سیرت میں ایک مکمل توازن و اتصال پیدا کر دے، یہ بہت ضروری ہے۔ لیکن اس کے اصول و ضوابط کیا ہوں گے؟ ساتھ ہی اس کی بھی ضرورت ہے کہ آج کی امت مسلمہ کے داخلی احوال اور عالمی تناظر میں اس امر کا بھی جائزہ لیا جائے کہ دعوتِ انقلاب، عملِ انقلاب اور قیامِ انقلاب کے مراحل میں جو سیاسی، معاشی، عسکری اور عالمی مشکلات سامنے آ رہی ہیں یا آئیں گی، ان کا حل کیا ہو گا؟ اسی طرح مستقبل میں اگر تنظیم اسلامی کے اندر کوئی فارورڈ بلاک بنتا ہے یا کوئی دھڑا تنظیم اسلامی سے الگ ہو جاتا ہے اور اس سے تنظیم اسلامی کی جدوجہدِ انقلاب میں سستی پیدا ہو جائے، تو تنظیم کے پاس اس کا کیا حل ہے؟

لہٰذا ان سب اور اس طرح کے دیگر تمام امور پر گہری نظر رکھنے کے لیے تنظیم اسلامی کے ہاں کوئی ایسا اپنے ماہرین رفقاء کا فورم، ذریعہ اور پلیٹ فارم ضرور ہونا چاہیے جو انقلاب لانے کے لیے جدید حالات کا فہم و فراست سے جائزہ لے اور انقلابی عمل کے دوران اٹھنے والے سوالات اور مشکلات کا ادراک رکھے اور انقلاب لانے کے بعد کوئی مسلسل، مربوط سیاسی، خارجی، داخلی اور عسکری پالیسی سامنے لائے۔ بہرحال سیرت النبیؐ کی روشنی میں تنظیم اسلامی کی انقلابی عمارت کی تعمیر میں بہت سی اینٹیں فٹ کی جا سکتی ہیں۔

3۔ دیگر مآخذ

تنظیم اسلامی کی تاسیس بالفعل تو مارچ ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی۔ لیکن اس کے قیام کے فیصلے کا اعلان بانی تنظیم نے

جولائی ۱۹۷۴ء میں مسلم ہائی اسکول لاہور میں انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام منعقدہ اکیس روزہ قرآنی تربیت گاہ کے آخری دن اپنی اختتامی تقریر میں کیا تھا۔ ساتھ ہی موجودہ ہمہ جہتی احیائی عمل اور اس میں شامل تحریکوں اور تنظیموں کے بارے میں بھی اپنی رائے پیش کی تھی۔ اور اس تقریر میں تنظیم اسلامی کے تصور انقلاب کا قرآن و سنت کے علاوہ دوسرے مآخذ کا بھی ڈاکٹر اسرار نے تذکرہ کیا تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک اس "ہمہ جہتی احیائی عمل" کے تین نمایاں منفرد اور ممتاز گوشے ہیں:

پہلا یہ کہ خالص قومی و ملی تحریکیں جن کا اصل موضوع ہے جہادِ حریت و استخلاصِ دیارِ مسلمین، یعنی مسلم ممالک کی سیاسی غلامی کا خاتمہ اور آزادی کا حصول۔ دوسرا یہ ہے کہ علماءِ کرام کی مساعی جن کا اصل ہدف ہے تصحیح عقائد و اعمال۔ تعلیم کتاب و سنت، حفاظت دین و شریعت اور باطل فرقوں کا ابطال اور جدید فتنوں کا استیصال۔ تیسرا گوشہ مثبت احیائی و تجدیدی مساعی جن کا معین مقصود ہے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق یا بالفاظ دیگر اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت کا قیام![10]

ان کے نزدیک برعظیم پاک و ہند کی بیسویں صدی عیسوی کی مسلمان تحریکوں میں سے تحریک پاکستان گوشۂ اوّل سے تعلق رکھتی ہے جبکہ علماءِ کرام کی جملہ جمعیتیں اور ادارے اور بالخصوص تبلیغی جماعت کا تعلق دوسرے گوشے سے ہے۔ جبکہ تیسرے سلسلے کے داعیٔ اوّل کی حیثیت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور کو حاصل ہے![11] تنظیم اسلامی اپنے انقلاب کو تیسرے سلسلہ اور اس کے داعی اول مولانا ابوالکلام آزاد سے جوڑتی ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا ابوالکلام آزاد

بانی تنظیم اسلامی کے مطابق مولانا ابوالکلام آزاد پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کا دست شفقت تھا، جنہوں نے اپنے انتقال سے پہلے "خرقۂ خلافت" انہیں عطا کیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نہ ان کے تلامذہ میں سے تھے، نہ حلقہ دیوبند سے تعلق رکھتے تھے بلکہ علماء کے دیگر معروف حلقوں اور سلسلوں میں سے بھی کسی سے منسلک نہ تھے، حتٰی کہ علماء کی سی وضع قطع بھی نہ رکھتے تھے۔

بانی تنظیم اسلامی شیخ الہند کو بھی اپنی انقلابی فکر کی تعمیری اساس میں شامل کرتے ہیں۔ اوران کے بارے میں وہ فرماتے ہیں: میں حضرت شیخ الہندؒ کو چودھویں صدی کا مجدد مانتا ہوں۔[12]

مفتی محمد شفیع صاحب اپنی کتاب "وحدت امت" میں شیخ الہند کے حوالے سے لکھتے ہیں:

1920ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا کی اسارت سے رہائی کے بعد جب واپس آئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے

جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دُنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔[13]

شیخ الہند کی اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

میں حیران ہوتا ہوں کہ حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۲۰ء میں یہ لفظ "عوامی" استعمال فرمایا جبکہ عوام و خواص میں سے کسی کی زبان پر یہ لفظ نہیں آیا تھا، جیسا کہ عوامی کا لفظ ہمارے دور میں عام ہو گیا ہے۔ یہ بھی ان کی دور بینی اور دور اندیشی کی دلیل ہے، نابغہ اسی شخص کو کہتے ہیں جو بہت بعد کے حالات دیکھ رہا ہو۔[14]

تو یہ شیخ الہندؒ کی دی ہوئی سوچ، فکر اور ان کا مشن تھا، جس کی بنیاد پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنی قرآنی فکر کی بنیاد رکھی اور عوامی دروس قرآن کا آغاز کیا اور پھر اس کی کوکھ سے تنظیم اسلامی کا تصور انقلاب بر آمد کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

مولانا ابوالکلام آزاد کا سن پیدائش ۱۸۸۸ء ہے۔ ۱۹۱۲ء میں چوبیس برس کی عمر میں انہوں نے رسالہ الہلال جاری کیا۔ الہلال کے مضامین کا ایک نکتہ دعوت رجوع الی القرآن تھا، جبکہ اسکی دعوت کا دوسرا اہم نکتہ تھا جہاد و قتال فی سبیل اللہ اور اس کی تمہید کے طور پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر تھا۔ ابوالکلام کی اس دعوت کی توثیق و تصویب اور تعریف و تحسین حضرت شیخ الہندؒ نے ان الفاظ کے ذریعے فرمائی کہ اس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا ہے۔

۱۹۱۳ء میں مولانا آزاد نے ایک جانب قرآن کے مبلغ و معلّم تیار کرنے کے لیے کلکتہ میں ادارہ "دارالارشاد" قائم کیا اور دوسری جانب اقامت دین کے لیے جماعت "حزب اللہ" قائم کی جس کی اساس "بیعت" پر استوار کی۔ مولانا موصوف پیدائشی طور پر حد درجہ ذہین و فطین بلکہ نابغۂ عصر تو تھے ہی، اس پر مستزاد انہیں متعدد مسلمان ممالک کے حالات کا بچشم سر مشاہدہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ مزید برآں انہوں نے مغربی فکر و فلسفہ اور سیاسیات و عمرانیاتِ جدیدہ کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ انہیں معلوم تھا کہ فی الوقت برعظیم پاک و ہند میں کسی عسکری تحریک کا کوئی امکان نہیں! کسی دوسرے مسلمان ملک سے مدد کا بھی کوئی سوال نہیں، گویا اب کوئی احمد شاہ ابدالی مسلمانانِ ہند کی مدد کے

لیے نہیں آ سکتا! بلکہ اب "استخلاصِ وطن" کی جدوجہد ہو یا غلبۂ اسلام اور اقامتِ دین کی سعی، تمام کام خالص مقامی لیکن عوامی تحریکوں کے ذریعے ہی ہو سکیں گے!

لہٰذا ان کا مشورہ یہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان ہی میں رہ کر عوامی تحریک برپا کریں۔ لیکن شیخ الہندؒ کی گرفتاری ہو گئی اور پھر مالٹا سے رہائی کے بعد انہوں نے اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے مولانا آزاد کا تعین کیا اور مولانا کے ہاتھ پر بیعت کی تجویز دی۔ لیکن بعض علماء کی جانب سے فوری طور پر اختلاف اور بعد ازاں باقاعدہ مخالفت کی بنا پر شیخ الہندؒ کی یہ تجویز ناکام ہو گئی۔ اس اختلاف کی وجہ سے ابو الکلام آزاد نے بددل ہو کر بیعت کی ٹھیٹھ شرعی اساس پر ایک خالص دینی تحریک کا خیال دل سے نکال دیا۔ اور پھر انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم کو اختیار کر لیا۔[15]

ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں کہ علم و فضل اور تقویٰ و تدین کے میدان میں شیخ الہندؒ کی جانشینی کا شرف مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو حاصل ہے جبکہ دعوت و تحریک کے میدان میں ان کے اصل خلیفۂ مجاز مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم تھے![16]

ڈاکٹر اسرار احمد نے اسی سلسلے کو تنظیم اسلامی کے انقلابی تصور سے جوڑتے ہوئے مولانا ابو الکلام آزاد کے قائم کردہ ادارے "دارالارشاد" کی طرز پر اپنا ادارہ انجمن خدام القرآن اور بیعت کی بنیاد پر قائم مولانا کی جماعت "حزب اللہ" کی طرز پر تنظیم اسلامی قائم کر کے ان کی فکر اور مقاصد کی روشنی میں اپنا تصور انقلاب مرتب کیا۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور سید ابو الاعلیٰ مولانا مودودیؒ

تنظیم اسلامی کی انقلابی فکر و تصور کی بنیاد میں ڈاکٹر علامہ اقبال و سید مودودیؒ کا بھی گہرا تعلق ہے، بانی تنظیم لکھتے ہیں:

میری فکر، میری سوچ اور میرے نقطۂ نظر کے متعین ہونے میں دو اہم ترین عوامل تھے۔ ایک یہ کہ بالکل اوائل عمر یعنی بچپن ہی میں علامہ اقبال کی ملی شاعری سے متاثر ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب امّتِ مسلمہ زوال میں تھی، پوری دنیا میں تمام مسلمان ممالک غلام بنائے جا چکے تھے، عظیم سلطنتِ عثمانیہ ختم ہو چکی تھی، خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور علامہ اقبال شاعری کے ذریعے حل بتا رہے تھے، انکی شاعری نے میرے قلب و ذہن پر گہرے اثرات مرتب کیے۔[17]

عملی طور پر ڈاکٹر اسرار نے اپنی قائم کردہ قرآن اکیڈمیز کا خاکہ بھی علامہ اقبال کے قائم کردہ ادارہ "دارالسلام" سے لیا، جس کا تذکرہ ڈاکٹر اسرار نے اپنی کتاب "اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" میں کیا۔[18]

دوسرا عملی جدوجہد کے لیے جماعت اسلامی سامنے آئی۔ مولانا مودودی اسلامی دستور کا مطالبہ لے کر سامنے آئے تو

فطری طور پر اس کی طرف توجہ ہوئی۔ چنانچہ میرے ذہن و فکر اور میری سوچ پر دوسری بڑی چھاپ مولانا مودودی کی ہے۔ ان کی فکر کے دو پہلو میرے سامنے بہت واضح ہو کر آئے۔ ان میں سے ایک بات اگرچہ علامہ اقبال کے کلام سے بھی واضح ہو چکی تھی بلکہ علامہ اقبال سے جو خاکہ بنا تھا اس میں تفصیل کا رنگ مولانا مودودی کی کتابوں نے بھرا۔ اور وہ یہ کہ اسلام ایک مذہب نہیں دین ہے۔ یہ ایک مکمل نظامِ زندگی ہے، یہ اپنا غلبہ چاہتا ہے، یہ مغلوب ہونے کے لیے نہیں آیا۔ اس کے علاوہ دوسرا پہلو فرائضِ دینی کے حوالے سے سامنے آیا یعنی فرائض دینی صرف نماز، روزہ، حج اور زکوۃ ہی نہیں ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر آگے بھی ہیں۔ چنانچہ خود دین کا ایک ہمہ گیر تصور اور پھر فرائض دینی کا ایک جامع تصور یہ دو چیزیں ہیں جو مولانا مودودی کی تصانیف سے میرے سامنے آئیں اور جس کا بحمد اللہ آج بھی اقرار کر رہا ہوں۔ بعد میں مولانا ابو الکلام آزاد اور بہت سے دیگر حضرات کی تحریریں بھی پڑھیں۔ پھر خود جس قدر قرآن حکیم کا مطالعہ کیا اس سے اس فکر میں مزید پختگی پیدا ہوئی، گہرائی و گیرائی میں اضافہ ہوا اور اس پر اعتماد و وثوق بڑھتا چلا گیا۔ لہٰذا میں نے جو کچھ بھی کام شروع کیے وہ در حقیقت اسی ذہنی و فکری پس منظر کے زیر اثر کیے۔[19]

ڈاکٹر اسرار احمد، سید مودودی کا تعلق مولانا ابو الکلام سے جوڑ کر پھر اپنی تنظیم کو بھی اس سے جوڑتے تھے۔ لکھتے ہیں:

دین حق کے غلبہ و اقامت کی راست تحریک کے میدان میں جو خلا مولانا ابو الکلام آزاد کی بد دلی اور پسپائی کے باعث پیدا ہوا تھا اسے قدرت نے سید ابو الاعلیٰ مولانا مودودیؒ کے ذریعے پُر کرایا۔ جنہوں نے جماعت اسلامی کے نام سے ایک نیا قافلہ تشکیل دیا! سید مودودی مولانا ابو الکلام کی دعوت سے بے حد متاثر تھے اور انہوں نے ان کے قرآنی فکر اور جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق نظریات سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔[20]

ڈاکٹر اسرار احمدؒ خود بھی سید مودودیؒ کی جماعت اسلامی سے آغاز میں وابستہ رہے لیکن جس وقت جماعت نے عملی سیاست میں قدم رکھا ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف جماعت کو چھوڑ دیا بلکہ ان کے مطابق اسلام کے ہمہ جہتی عمل میں ایک ٹھیٹھ اصولی اسلامی تحریک کی جگہ پھر خالی ہو گئی۔[21] ڈاکٹر صاحب کے مطابق اسی خلا کو پُر کرنے اور براہِ راست اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی دعوت و تحریک اور غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کے تسلسل کو برقرار رکھنے کی کوشش میں تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں لایا گیا اور ان کے مطابق اس تنظیم اسلامی کے تصور انقلاب میں ان اشخاص کی فکر کا بھی کہیں نہ کہیں گہرا تعلق ضرور ہے۔

بانی تنظیم اسلامی جن شخصیات سے متاثر تھے یا جنہیں اپنا استاد سمجھتے تھے، تنظیم اسلامی کے تصور انقلاب کی فکری تعمیر میں ان شخصیات و اسلاف کا گہرا کردار ہے بلکہ بلاشبہ یہ شخصیات اور ان کے قائم کردہ اداروں کا شمار انقلاب تنظیم اسلامی کے مآخذ میں ہوتا ہے، ڈاکٹر اسرار احمد ان کے بارے اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

میرے علم و فہم کے اصلاً اساسی اور بنیادی چار سور سز (Sources) ہیں، نتیجتاً چار ابعاد (Dimensions) ہیں، ان میں "دو ابوین" شامل ہیں، ابو الکلام اور ابو الاعلیٰ، ان دونوں ابوین کا جو فکر قرآنی ہے اس میں تحریک ہے، دعوت کا غلبہ ہے، انقلاب کا انداز ہے، "دو حسینؑ" ہیں، مولانا فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی، ان دونوں حضرات سے جو تدبر قرآن کا سلسلہ اور فکر قرآن کا ایک نیا سوتہ شروع ہوا ہے اس میں نظم قرآن، ربط قرآن، ربط آیات بالآیات، ربط سور اور خصوصی اسالیب قرآن کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ "دو دکتورین" ہیں، ڈاکٹر علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین، فکر قرآن کا فلسفہ کے ساتھ تعلق نفیًا بھی ہے اور اثباتاً بھی، لہٰذا جدید سائنس کے کونسے حصے صحیح ہیں؟ جن کا تعلق قرآن مجید سے توافق پیدا ہو سکتا ہے۔ کونسے حصے بنیادی طور پر غلط ہیں؟ نیز جدید سائنس سے جو انکشافات اور جو نظریات سامنے آئے ہیں، ان کا بھی تحلیل و تجزیہ کہ کتنا حصہ از روئے قرآن صحیح ہے اور کتنا گمراہی پر مشتمل ہے۔ ان چیزوں کے ضمن میں یہ دونوں دکتور سورس ہیں، چوتھی میری سورس "دو شیخین" شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا شبیر احمد عثمانی ہیں، دونوں سے مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ ہے ایک اسلاف کے ساتھ تعلق اور اسلاف کی خوشبو اور دوسرے تصوف کی چاشنی یعنی ایمان کے وہ ثمرات جو انسان کے باطن میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔[22]

اس سے مزید واضح ہو رہا ہے کہ انقلاب تنظیم اسلامی کے مآخذ میں قرآن کریم اور سیرت النبیؐ کے علاوہ دیگر ان تمام شخصیات کا بھی شمار ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چاروں ابعاد اور آٹھوں افراد شخصی اعتبار سے بہت مثالی اور عظیم ہیں۔ لیکن امت مسلمہ میں اس قدر قد و کاٹھ کی مالک شخصیات بھی وہ عملی طور پر مقبولیت حاصل نہیں کر سکیں جو انقلاب برپا کرنے کے لیے ضروری ہیں اور پھر یہ سب شخصیات بھی اپنی تمام تر عظمت کے باوجود امت کے مابین متفق علیہ شخصیات نہیں ہیں۔ کمی ان شخصیات کی دعوت اور فکر میں نہیں، امت کے اجتماعی مزاج اور اس کے مخالف رُخ پر چل نکلنے میں ہے۔ اور امت کی اس کمی کوتاہی کی بنیادی وجہ علماءِ سوء اور خائن حکمران ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ سمیت یہ سب عظیم شخصیات اللہ کے حضور حاضر ہو چکی ہیں۔ یقیناً اپنے اچھے اخلاص کا اجر اللہ کے ہاں ضرور حاصل کریں گے۔ لیکن زمینی حقائق اور قوموں اور افراد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بے لاگ قانون یہی چاہتا ہے کہ قائدِ انقلاب کی جماعتِ انقلاب (امتِ مسلمہ) دونوں اپنے اپنے محاذ پر اپنے اپنے فرائض ادا کریں، پھر لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ[23] کی منزل نصیب ہو گی۔ مسلمانوں کے باہمی خلفشار، انتشار اور مادی اور اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب سمیت یہ سب انقلابی شخصیات سفر انقلاب کے راہی تو رہے، مگر منزلِ انقلاب ہنوز دور است۔

خلاصہ بحث

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے عرب معاشرے میں جو تبدیلی لائی وہ قرآن کریم کے ذریعے ہی لائی، نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھوں کا آلۂ انقلاب قرآن حکیم تھا۔ لہٰذا اس بنیاد پر تنظیم اسلامی اپنے انقلاب کی بنیاد قرآن اور سیرت النبی ﷺ کو قرار دیتی ہے، اور اس سارے عمل کو "منہج انقلابِ نبوی ﷺ" کا نام دیتی ہے۔ تنظیم کے نزدیک انقلابی عمل کی دعوت ہو، تنظیم و تربیت ہو یا نئے نظام کا نفاذ ہو، یہ سارا عمل قرآن و سنت سے لیا جائے گا۔ البتہ تنظیم کی طرف سے عصر حاضر میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جہاں ضرورت پڑے گی وہاں اجتہاد سے کام لیا جائے گا۔ قرآن و سنت کے علاوہ بانی تنظیم اسلامی نے اپنا علم و فہم جن شخصیات سے لیا ان میں مولانا ابو الکلام آزاد، سید ابو الاعلیٰ مولانا مودودی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر علامہ اقبال، ڈاکٹر رفیع الدین، شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا شبیر احمد عثمانی کا شمار ہوتا ہے۔ اسی لیے تنظیم اسلامی کی انقلابی فکر کی بنیاد بھی انہی افراد کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔

تنظیم اسلامی کا قرآن و سنت کے آلۂ انقلاب یا پھر اوپر بیان کی گئی عظیم شخصیات کا ماخذ انقلاب ہونے میں کچھ بھی غلط نہیں، لیکن بد قسمتی سے صحت مند فکر رکھنے کے باوجود تنظیم اسلامی ابھی تک مطلوب صحت مند نتائج سامنے نہیں لا سکی۔ اس میں تنظیم کی کوئی غلطی یا تصور انقلاب میں کوئی جھول و خلا نہیں ہے، بلکہ اور بہت ساری ایسی وجوہات جن میں بالخصوص فرقوں اور گروہوں میں بٹی تقسیم در تقسیم امت ہے، اسی طرح طاغوتی و ابلیسی نظام جس کے اندر امت اتنی رچ بس گئی ہے کہ اس سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتی، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ کے وسائل، صلاحیتیں اور قوتیں جو باہمی اختلاف اور انتشار میں صرف ہو چکی ہیں۔ ان کا کوئی عملی حل تنظیم اسلامی کو سامنے رکھنا پڑے گا اور اس کے لیے راستے نکالنے پڑیں گے، تب جا کر انقلاب کی راہ ہموار ہو گی۔

حوالہ جات

[1] اسرار احمد، قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات اور ان کے بارے علماء کرام کے خدشات، شعبہ دعوت تنظیم اسلامی، لاہور، مئی ۲۰۱۱ء، ص ۸۔

[2] اسرار احمد، جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ، شعبہ دعوت تنظیم اسلامی، لاہور: گڑھی شاہو، ۲۰۱۲، ص ۵۷۔

[3] القرآن۔ سورۃ النحل آیت ۴۴۔

[4] اسرار احمد، اسلام کی انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، لاہور: مکتبہ انجمن خدام القرآن، ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۸۴۔

[5] اسرار احمد، اسلام کی انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص ۸۵۔

[6] اسرار احمد، رسول اکرم ﷺ اور ہم، ناظم نشر و اشاعت، لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، جولائی ۲۰۱۴ء، ص ۳۶۴۔

[7] اسرار احمد، رسول انقلابؐ کا طریق انقلاب، لاہور: شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، جون ۲۰۱۴ء، ص ۸۔۹۔

[8] اسرار احمد، خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، جولائی ۲۰۱۳ء، ص ۱۷۰۔

[9] اسرار احمد، "انقلاب کا سرچشمہ: محمد رسول ﷺ کی سیرت طیبہ" ہفت روزہ ندائے خلافت، ج ۲۸، ش ۲۱، ۳۱ تا ۲۷ مئی ۲۰۱۹ء، ص ۱۔

[10] اسرار احمد، جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، طبع پنجم، ناظم نشر و اشاعت، لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، ۲۰۱۳ء، ص ۱۱۔

[11] اسرار احمد، تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر، لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، ۱۹۹۱ء، ص ۳۵۔

[12] اسرار احمد، قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات، ص ۸۔

[13] محمد شفیع، مفتی، مولانا، وحدت امت، فیصل آباد: طارق اکیڈمی، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۵۸۔

[14] اسرار احمد، قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات اور ان کے بارے علماء کرام کے خدشات، ص ۱۰۔

[15] اسرار احمد، جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص ۱۷۔

[16] ایضاً، ص ۱۶۔

[17] اسرار احمد، تنظیم اسلامی کی دعوت، لاہور: شعبہ تعلیم و تربیت، تنظیم اسلامی، جولائی ۲۰۱۳ء، ص ۶۔

[18] اسرار احمد، اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام، لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، مئی ۲۰۱۴ء، ص ۲۷۔

[19] اسرار احمد، تنظیم اسلامی کی دعوت، ص ۸۔

[20] اسرار احمد، جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص ۲۰۔

[21] اسرار احمد، سرافگندم، لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، ۱۹۷۹ء، ص ۳۶۔

[22] محمد رمضان ارائیں، محمد زبیر، "ڈاکٹر اسرار احمد کی تفسیر قرآن میں خدمات، بحیثیت مدرس اور مفسر" ششماہی الثقافہ الاسلامیہ، شمارہ ۴۱، جون ۲۰۱۹ء، ص ۱۲۱۔

[23] القرآن۔ سورۃ الفتح آیت ۲۸۔